Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

A CRITICAL REVIEW OF THE METAPHYSICAL DIVERGENCES AMONG COMMENTATORS IN URDU TAFSIRS

اردو تفاسیر میں مفسرین کے مابعد الطبیعات سے متعلق تفردات کا ناقدانہ جائزہ

Abdul Satar
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, UOS
Dr. Farhat Naseem Alvi
Chairperson, Department of Islamic Studies, UOS

Abstract
The meaning of Mu'jizah (miracle) is to render someone helpless, to compel, to astonish the intellect, or for an event to occur in such a way that no scientific explanation can be understood—something happening without apparent causes. In other words, an act that breaks the natural order is called a Mu'jizah (miracle). Certain extraordinary events, which go against the usual patterns of nature, are manifested by Allah through the hands of His messengers and prophets, in such a way that people are left unable to replicate them. These events serve to demonstrate the truth of the prophet's claim to prophethood. The unusual events shown by prophets and messengers are called miracles (Mu'jizat).A miracle is also a proof of a prophet's truthfulness. When a prophet openly claims his prophethood and takes responsibility for presenting things that are naturally impossible, he invites the deniers to produce something similar. Then Allah causes such extraordinary events to occur according to the prophet's claim, and the deniers remain helpless. This is what is called a miracle. For example, the she-camel of Prophet Ṣāliḥ (peace be upon him), the staff of Prophet Mūsā (Moses) turning into a snake, or Prophet ʿĪsā (Jesus) bringing the dead back to life, curing those born blind and the lepers. Similarly, the Prophet Muhammad ﷺ was granted many miracles. When the disbelievers of Quraysh demanded a miracle from the Prophet Muhammad ﷺ and said, "If you are truly a prophet, then split the moon in two," the Prophet ﷺ pointed towards the moon, and it split into two parts.Therefore, the scholarly researchers ('ulama muḥaqqiqīn) have critiqued these individuals, refuting them with evidence from the Qur'an, Sunnah, the understanding of the pious predecessors (salaf), and the hadith scholars.
Keywords: Mu'jizah, miracle, Prophet, pious predecessors.

معجزہ کا معنیٰ ومفہوم

معجزہ کا مطلب عاجز کر دینا، مجبور کر دینا، عقل کو حیران کر دینا، کسی کام کی کوئی سائنسی توجیہ سمجھ میں نہ آنا، اسباب کے بغیر کسی کام کا ہو جا نا، وغیرہ معجزہ کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں "خرق عادت" کام کو معجزہ کہتے ہیں۔[1] بعض خلاف عادت باتیں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور نبیو ں کے ہاتھ سے ظاہر کرا دیتا ہے، جن کے کرنے سے دنیا کے لوگ عاجز ہوتے ہیں، تاکہ لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اس نبی کی نبوت کو سمجھ لیں۔ نبیوں اور رسولوں کی ایسی خلاف عادت ہوتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔ نبیؑ کے دعوی نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی اپنے صدق کا علانیہ دعوی فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دعوی کے مطا بق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں، اسی کو معجزہ کہتے ہیں، جیسے سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی، جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا، اور جناب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی والے کو اچھا کر دینا، اسی طر ح جناب نبی اکرم ﷺ کے بہت سے معجزات ہیں[2] کفار قریش نے جناب محمد کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے اگر تم سچے نبی ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو، آپؐ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا: وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔[3] آنحضرتؐ کو عطا کئے گئے بے شمار معجزات میں ایک معجزہ معراج جسمانی بھی ہے۔ جب کہ تفردات کے حامل مفسرین انبیاء کرام کے معجزات کا انکار کرتے ہوئے معجزہ کا معنیٰ ومفہوم ہی سرے سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک معجزات کی اسلام میں کوئی نہیں ہے اور نہ ہی یہ معجزات وقوع پذیر ہوئے ہیں بلکہ جعلی احادیث کے ذریعہ مسلمانوں میں یہ رائج ہوئے ہیں اور جن معجزات کو مسلمان مادی یا جسمانی معجزات خیال کرتے ہیں وہ محض روحانی تجربات تھے۔ مثلاً ان بعض لوگوں کے نزدیک پیغمبر کے روحانی تجربات حدیث کے ذریعے جسمانی نوعیت کے بنا دیے گئے، بالخصوص جب قدامت پسندی تقریبا مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے تصور کے انداز میں جناب محمد ﷺ کے مشینی انداز میں جسمانی طور پر آسمانوں پر جانے کے عقیدے کی شکل میں تشکیل پذیر تھی، اور اسے حدیث کے ذریعے تقویت دی جا رہی تھی۔[4]

چونکہ قرآن وسنت میں انبیاء ورسل کے بے شمار معجزات کا مختلف ادوار میں وقوع پذیر ہونا ثابت ہے لہذا تفردات کے حامل مفسرین کی یہ تعبیر اسلام کے اصولی موقف کے خلاف تھی، اس لئے علما محققین نے انبیاء کے معجزات کے بارے تفردات رکھنے والوں پر نقد کرتے ہوئے قرآن وسنت اور فہم اسلاف اور محدثین کے دلائل پیش کر کے ایسے افراد کا رد کیا ہے۔ ذیل میں ایسے علما محققین کے چند دلائل ہم پیش کر کے اس مسئلہ کی وضاحت کریں گے۔

معراج نبویؐ کے بارے میں تفردات اور ان کا ناقدانہ جائزہ

معراج نبویؐ کے بارے میں تفردات کے حامل مفسرین کے موقف کو پیش کر کے ان کے رجحان کو ہم نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ الگ الگ حیثیت سے تفردات کے حاملین کا نقطہ نگاہ واضح کیا جا سکے۔ قرآن وسنت کے اجماعی اور جمہور آئمہ محدثین کے منہج سے ہٹ کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن آپ ﷺ کے معراج کا انکار کرتے ہیں آپؐ کے معراج جسمانی کا تصور بھی ڈاکٹر فضل الرحمن کے نزدیک جعلی احادیث کے ذریعے رائج ہوا، ورنہ حضورؐ کا تجربہ بھی آپ کے دیگر تجربات کی مانند محض روحانی تھا ان کے نزدیک پیغمبر کے روحانی تجربات حدیث کے

---

[1] علي بن الحسن الهنائي، المنجد في اللغة الاعلام (بيروت: مكتبة الوقفية، ب ت)، 324۔

[2] آل عمران 3: 49۔

[3] صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (لاہور: مکتبۃ الدعوۃ السلفیہ 2017ء)، 145۔

[4] ڈاکٹر فضل الرحمن، اسلام (لندن: یونی ورسٹی آف شکاگو، 2002ء)، 36۔

ذریعے جسمانی نوعیت کے بنا دیے گئے، بالخصوص جب قدامت پسندی تقریبا مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے تصور کے انداز میں جناب نبیؐ کے مشینی انداز میں جسمانی طور پر آسمانوں پر جانے کے عقیدے کی شکل میں تشکیل پذیر تھی ،اور اسے حدیث کے ذریعے تقویت دی جا رہی تھی ۔[5]اسی طرح سر سید احمد خان نے سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی تفسیر میں معراج جسمانی سے متعلق احادیث وروایات کو ناقابل اعتبار اور ان کے بیان کو خلاف قانون فطرت اور ممتنعات عقلی میں سے شمار کرتے ہوئے بالکل رد کرتے ہیں۔واقعات خلاف قانون فطرت کے وقوع کا ثبوت اگر گواہان روایت بھی گواہی دیں تو محالات میں سے ہے ۔[6]ان کے نزدیک آپؐ نے معراج کی بہت سی باتیں جو خواب میں دیکھی ہوں گی، لوگوں سے بیان کی، مجملہ ان کے بیت المقدس میں جانا اور اس کو دیکھنا بھی بیان فرمایا ہو گا۔ قریش سوائے بیت المقدس کے اور کسی حال سے واقف نہیں تھے۔اس لیے انہوں نے امتحاناً آپؐ سے بیت المقدس کے حالات دریافت کیے چونکہ انبیاء کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ آپؐ نے کچھ بیت المقدس کا حال خواب میں دیکھا تھا۔ بیان کیا جس کو راویوں نے " فجلی اللہ لی بیت فرفعہ اللہ انظر الیہ " سے تعبیر کیا ہے پس اس مخاصمت سے جو قریش نے کی آپؐ کا بجسدہ اور بیداری کی حالت میں بیت المقدس جا نا ثابت نہیں ہو سکتا[7] مندرجہ بالا تفردات کے حاملین کا موقف چونکہ قرآن وسنت کی نصوص صریحہ اور مسلمانوں کے اجماعی اور متفقہ اصولی موقف کے خلاف تھا لہذا قرآن وسنت کے حقیقی موقف کا دفاع کرتے ہوئے علما محققین نے اس مسئلہ میں تفردات رکھنے والے بعض لوگوں کا نقد کیا ہے جیسا کہ حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ ------- آيَاتِنَا ۔[8] پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، سیر کرائی، تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھلائیں۔"مندرجہ بالا آیات میں آپ کے اس سفر کے جسمانی ہونے کے چار دلائل موجود ہیں جو درج ذیل ہیں : سبحان کلمہ حیرت واستعجاب ہے اگر یہ سفر محض روحانی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔اسریٰ کا لفظ صرف اور صرف جسمانی سیر کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ عبد کا لفظ روح اور جسم کے مرکب پر بولا جاتا ہے۔اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر جسمانی سفر تھا۔اس واقعہ کے بعد کفار کی تکرار اس سفر کے جسمانی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اور یہ تکرار تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔اگر یہ سفر روحانی ہوتا تو تکرار اور جھگڑے کی نوبت ہی کہاں آتی ؟[9]

معراج نبویؐ سے متعلق بحث کا تجزیہ

قرآن وسنت کی تشریحات اور آئمہ محدثین کے فہم کی روشنی میں جناب نبی اکرمؐ کو جسد عضری سے اسراء ومعراج کروایا گیا تفردات کے حاملین کے ہاں اس کا انکار کیا گیا ہے اور ان کا موقف یہ ہے یہ خواب کا واقعہ ہے اس پر ناقدین کی طرف سے دیے گئے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے جسمانی معراج کے دلائل نہایت مضبوط اور قوی ہیں، اور اگر اسے خواب مان لیا جائے تو معجزہ اسراء ومعراج کی حقیقت و مقصودیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے پھر نبیؐ کے خواب میں سفر کرنے کی انفرادیت نہیں رہ جاتی اور یہ معجزہ اسی طور مانا جا سکتا ہے جب اسے جسمانی حالت میں سفر مانا جائے۔اور اسی طریقے سے جناب رسول اللہؐ کے معجزات میں سے شق القمر کا واقعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کے بارے

---

[5] ڈاکٹر فضل الرحمن، اسلام،36۔

[6] سر سید احمد، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر (لاہور:دوست ایسو سی ایشن،1995ء)،1197۔1205۔

[7] سر سید احمد، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر،1197- 1205۔

[8] الاسراء17: 1۔

[9] صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان(لاہور:دارالسلام،2012ء)،432۔

میں مفسرین کا انکار کسی طرح درست نہیں ہے کیونکہ کتب احادیث میں کئی ایک محدثین نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد تفصیلی دلائل ذکر کر کے اس واقعہ کو آپؐ کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ بیان کیا ہے۔ لہذا تفردات کے حامل مفسرین کا نبی کریمؐ اور اس طرح دوسرے انبیاء کرام کے معجزات کے متعلق موقف قرآن وسنت اور آئمہ محدثین، سلف صالحین کے اصولی اور اجماعی موقف کے خلاف ہے، تفردانہ رجحان رکھنے والوں کے پاس عقلی تعبیر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے، معراج جیسے عظیم معجزہ فقط عقل بھینٹ چڑھا کر اس کا انکار کر دینا اسلامی تعلیمات سے لاتعلقی اور فہم اسلاف۔ صراط مستقیم سے ہٹ کر ایک نئی روش اختیار کرنا ہے جس کوئی حیثیت نہیں۔ تفردات کے حامل مفسرین کا موقف چونکہ بغیر دلیل کے ہے لہذا یہ درست اور قابل التفات نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزات اور بنی اسرائیل پر عذاب کے بارے تفردات اور اس کا ناقدانہ جائزہ

تفردات کے حامل مفسرین نے جس طرح جناب نبی کریمؐ کے معجزات کا انکار کرنے کی جسارت کی ہے اسی وہ اس سے قبل دیگر انبیا کرام کے معجزات سے انکاری اور ان سے متعلق مذکورہ نوعیت کی تاویلات وتعبیرات کرنے والے مغربی اہل قلم سے متاثر ہو کر معجزات کو مسترد کر دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ معجزہ چونکہ قانون فطرت کے خلاف ہے اور قرآن کی رو سے کوئی واقعہ خلاف قانون فطرت رونما نہیں ہو سکتا۔بنا بریں معجزات کا وجود بروئے قرآن غلط ہے۔وہ قرآن کریم میں مذکور معجزاتی نوعیت کے واقعات کو عام قوانین فطرت کے مطابق ثابت کرنے کے لئے انہیں تمثیلات سے تعبیر کرتے ہیں۔[10] تفردات کے حاملین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے ساتھیوں کے لئے سمندر کو خشک کر کے اللہ تعالیٰ نے جو راستے بنائے تھے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تورات کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہوئے توراتی تاویل اس طرح بیان کی کہ پوربی آندھی اور ہوا کی وجہ سے سمندر خشک ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پار کر لیا، پھر جب آندھی تھم گئی تو پانی اپنی جگہ پھیل گیا اور فرعون مع لشکر غرقاب ہو گیا۔اور یہی موقف آگے چل کر یہ پوربی آندھی رات بھر چلتی رہی اور صبح کو تھم گئی ، ہوا کے زور نے سمندر کا پانی مغرب کی طرف خلیج سوئز میں ڈال دیا اور مشرقی خلیج خلیج عقبہ کو بالکل خشک چھوڑ دیا۔پھرجب پانی اپنی جگہ پر پھیل گیا اور موسیٰ کا تعاقب کرنے والی جماعت غرق ہو گئی۔[11] "اصلاحی صاحب نے بھی تورات کے اقتباسات نقل کر کے اپنے استاد فراہی صاحب ہی کی ہم نوائی کی ہے اور لکھا ہے کہ "اس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ معجزہ پوربی ہوا کے تصرف سے ظہور میں آیا۔ اس سے خلیج کا پانی اس طرح دو حصوں میں منقسم ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے گزرنے کے لیے خشک راستہ پیدا ہو گیا[12]

یہ تضاد بھی نہایت دلچسپ ہے کہ سمندر کے خشک ہونے کو پوربی ہوا کا تصرف بھی بتلایا ہے پھر اس کو معجزہ بھی قرار دیا ہے ۔جب یہ خشکی ایک عام معمول کا نتیجہ تھی ، یعنی پوربی ہوا سے ظہور میں آئی تو پھر یہ واقعہ معجزہ کس طرح ہوا؟معجزہ تو تب ہے جب قرآن کی بیان کردہ حقیقت کو تسلیم کیاجائے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق سمندر میں لاٹھی ماری تو ٹھاٹھے مارتا ہواپانی اس طرح تھم گیا کہ درمیان میں خشک راستہ بن گیا اور راستے کے دونوں جانب پانی پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔اور فرعون کا لشکر جب گزرنے لگا تو پانی حسب معمول رواں دواں ہو گیا اور وہ سب غرقاب ہو گئے۔[13]حضرت

---

10 غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان(لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ،2002ء)،4: 94۔

11 اصلاحی، تدبر قرآن،4: 312۔

12 اصلاحی، تدبر قرآن،4: 317۔

13 اصلاحی، تدبر قرآن،1: 201۔

موسی علیہ السلام کے اس عظیم معجزہ کے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل پر جو عذابات ان کی نافرمانی کی بدولت نازل ہوئے، ان میں سے ایک عذاب بنی اسرائیل کو بندر بنائے جانے کا تھا جب بنو اسرائیل نے سبت (ہفتے کے دن) کے بارے میں دیئے گئے احکام الہی سے حیلوں کے ذریعے سے انحراف کیا تو اللہ تعالی نے ان کو ذلت و رسوائی کے طور پر بندروں میں تبدیل کر دیا۔ "كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ"ہو جاؤ تم بندر ذلیل و خوار"پوری امت کے علماء و مفسرین (صحابہ و تابعین سمیت) سوائے ایک آدھ شخص کے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مسخ، یعنی انسانوں سے بندر بن جانا ، حقیقی معنوی و روحانی نہیں تھا اسی لیے اللہ نے اسے اگلوں پچھلوں کے لیے نمونۂ عبرت بھی قرار دیا۔ مگر تفردات کے حاملین اس کو صرف عقلی وروحانی مانتے ہیں۔[14] ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک سب سے بڑی و اہمہ پرستی کا سر چشمہ معجزات ہی ہیں ہے اور ان کے مطابق مسلمانوں نے بہت سے اوہام کو معجزہ قرار دے دیا ہے۔[15]

اسی طرح جناب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے بارے میں ایسا موقف پیش کیا ہے کہ جس کو ایک باشعور اور عقلمند آدمی سوچ بھی نہیں سکتا، مثلا بعض تفردات کے حامل مفسرین کے مطابق جناب سیدنا مسیح علیہ السلام نے بہت سے معجزے پیش کیے ، لیکن بالکل بے نتیجہ وہی مردے جن کو انھوں نے زندہ کیا وہی اندھے جن کو انکھیار بنایا اور وہی کوڑھی جنھیں اچھا کیا ان پر ایمان نہ لائے ، آپ کو معلوم ہے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر نہیں ہوئے ، بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔[16] "قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں:" قرآن مجید میرے نزدیک نہ تو کلام خداوندی ہے اور نہ ہی میں اسے الہام ربانی سمجھتا ہوں میرے نزدیک یہ ایک انسان کا کلام ہے، اس مسئلے پر اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں مزید لکھتے ہیں:عام مسلمانوں اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے بہ تمامہا پہلے لوح محفوظ میں منقوش تھا، اور فرشتہ جبرائیل یہی محفوظ و منقوش کلام رسول اللہ کو آکر سناتا تھا، اور رسول اللہ ان ہی آسمانی الفاظ دہرا دیتے تھے ، حددرجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن عربی نہ ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جاسکتا تھا لیکن جب کہ وہ اس زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیوں کر خدائی الفاظ کہا جاسکتا ہے ؟ بہ ہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک نکتہ ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسو اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہیں تھا تو خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول اللہ کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دینا ہے [17] معجزات انبیاء کے ضمن میں اس حوالے سے نقد کے بے شمار دلائل پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں۔

معجزات انبیاء سے متعلق بحث کا تجزیہ

تفردات کے حاملین کا مندرجہ بالا حقائق جن میں قرآن مجید کے کلام خداوندی ہونے، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے علاوہ قوم بنی اسرائیل کے بندر بنائے جانے کی تاویل کرتے ہوئے انکار کیا ہے جب کہ یہ موقف جمہور آئمہ دین اور منہج سلف کے خلاف ہے علمائے اسلام کا نزول قرآن کی کیفیت میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ایک ہی بار مکمل نازل ہوا یا بتدریج نازل ہوا ہے۔ بعض آیتوں سے معلوم

---

[14] اصلاحی، تدبر قرآن، 1: 201۔

[15] اصلاحی، شرح صحیح البخاری، 1: 173۔

[16] اصلاحی، شرح صحیح البخاری، 1: 174۔

[17] اصلاحی، شرح صحیح البخاری، 1: 176۔

ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل ہوا ہے، جب کہ بعض آیات بتدریج نزول قرآن کو بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ اس اختلاف کو یوں رفع کیا گیا ہے کہ نزول قرآن کے متعدد مراحل طے کئے گئے۔ جو حسب ذیل ہیں: پہلے مرحلے میں قرآن مجید لوح محفوظ پر نازل ہوا، اس نزول کا مقصد یہ تھا کہ اسے لوح محفوظ میں ثبت اور قرآن کو ناقابل تغیر کر دیا جائے۔ اس نزول کی دلیل قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہے۔ لوح محفوظ سے آسمان میں موجود ایک مقام بیت العزت میں شب قدر کو نازل ہوا۔[18] اس کی دلیل یہ آیتیں ہیں "إِنَّاأَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ [19] ۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ"[20] درج ذیل حدیث بھی اس کی دلیل ہے سیدنا عبداللہ بن عباس سے مروی ہے: "قرآن مجید کو لوح محفوظ سے نکال کر آسمان دنیا کے ایک مقام بیت العزت پر اتارا گیا، جہاں جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے پاس لے کر جایا کرتے تھے۔[21] ابو شامہ مقدسی نے اپنی کتاب المرشد والوجیز عن ھذا النزول میں لکھا ہے: "علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت العزت میں ایک ہی رات میں مکمل نازل ہوا، اور جناب جبرائیل علیہ السلام نے اسے یاد کر لیا۔ کلام الہیٰ کی ہیبت سے آسمان والے غش کھا گئے ، جب جبرائیل کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو انہیں ہوش آیا اور وہ کہنے لگے "وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ --- وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِير[22]" بعد ازاں جبرئیل علیہ السلام نے کاتب فرشتوں کو اس کی املاء کرا دی۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے " بِأَيْدِي سَفَرَةٍ" بیت العزت سے جبرئیل علیہ السلام نے بتدریج آپؐ کے قلب اطہر پر نازل کیا، نزول قرآن کا یہ مرحلہ تئیس برس کے عرصے پر محیط ہے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ"[23] تمام آسمانی کتابوں میں قرآن واحد کتاب ہے جو بتدریج نازل ہوئی، چنانچہ قرآن میں مذکور ہے" وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً------------ تَرْتِيلًا"[24] علمانے قرآن کے بتدریج نزول کی درج ذیل حکمتیں بیان کی ہیں: کفار کی مخالفت، اذیت رسانی اور سخت کشیدہ حالات میں پیغمبر محمد کی دل بستگی، سورہ فرقان میں ہے" وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا" آیت "وَرَتَّلْنَاهُ تَرتِيلاً" میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے بتدریج نزول کا مقصد اس کے یاد رکھنے میں سہولت بہم پہنچانا ہے۔ اور اسی طرح مشرکین کے پیش کردہ شبہات کا رد اور ان کے دلائل کا یکے بعد دیگرے ابطال کرنا ہے، آپؐ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے قرآن مجید کا یاد رکھنا، اسے سمجھنا آسان ہو، احکام قرآن کے نفاذ میں آسانی فراہم کرنا ہے۔ انسان کے لئے یہ آسان نہیں ہوتا کہ جن رسوم ورواج اور عادتوں سے وہ برسوں اور صدیوں سے جکڑا ہوا ہو، انہیں دفعتاً چھوڑ دے، مثلاً شراب پینا۔ حسب ضرورت احکام کا نزول، یعنی بسا اوقات حضرات صحابہ کرام کسی پیش آمدہ صورتحال پر حکم الہیٰ جاننا چاہتے تو اس وقت متعلقہ آیت نازل ہوتی۔ بتدریج نزول قرآن کی مقدار کا تذکرہ احادیث میں بھی ملتا ہے کہ جب جتنی ضرورت ہوتی اتنا قرآن مجید نازل ہو جاتا، نیز تاریخ قرآن کو دو ادوار میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور عہد نبوی ؐ کا جس میں قرآن مجید کا وحی کے ذریعے نزول ہوا، اور دوسرا دور خلفائے راشدین کا جس میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں یکجا کر کے محفوظ کر دیا گیا، اور اسی طر

[18] البروج85: 22۔

[19] الدخان44: 2۔

[20] القدر97: 1۔

[21] ابن ماجہ، السنن ابن ماجہ، رقم:948۔

[22] السبا34: 23۔

[23] الشعراء26: 15۔

[24] الفرقان25: 32۔

ح جناب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، آپ نے جب اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کی تاریکی میں فرعون کی غلامی سے نکال کر لے گئے فرعون کو علم ہونے پر وہ اپنی فوج کو لے کر ان کے تعاقب میں نکلا اور ان کے قریب پہنچ گیا، یہ صورت حال دیکھ کر بنو اسرائیل گھبرا گئے کہ اب تو ہم مارے گئے کیونکہ آگے سمندر تھا جسے عبور کرنا ناممکن تھا اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر تھا۔ سیدنا موسی نے اپنی قوم کو تسلی دی کہ گھبراؤمت، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور ہماری دست گیری فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالی نے موسی کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر میں ماریں۔ لاٹھی کے مارتے ہی اللہ کے حکم سے سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور درمیان میں خشک راستہ بن گیا جس سے بنو اسرائیل گزر کر سمندر عبور کر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے جب وہ خشک راستہ اور اسرائیلیوں کو اس سے گزرتے دیکھا تو وہ بھی اسی راستے پر چل پڑے۔ لیکن موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے لیے تو اللہ تعالی نے معجزانہ طور پر راستہ بنایا تھا، جب فرعون اور اس کا لشکر سمندر کے درمیان پہنچا تو اللہ نے اپنے سمندر کو حکم دیا کہ وہ حسب معمول جاری ہو جائے، سمندر رواں ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ یہ ایسا واضح معجزہ ہے کہ جو قرآن کو صحیفۂ آسمانی اور اللہ کا کلام نہیں مانتا، وہ کبھی اس معجزہ قرآنی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن مسلمان تو اللہ کے بیان کردہ اس واقعے کے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا، اس لیے شیطان نے اس کے انکار کا ایک اور طریقہ بعض لوگوں کو یہ سمجھایا کہ اس کی ایسی تاویل کرو جس سے معجزاتی حیثیت ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس معجزے کا انکار سب سے پہلے سرسید نے کیا اور اسے سمندر کے جوار بھاٹا کا نتیجہ قرار دیا اور کہا کہ بنو اسرائیل نے جس وقت سمندر عبور کیا، اس وقت بہ سبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں کسی جگہ زمین خشک اور کسی جگہ پانی نکلا آتا ہے۔ بنی اسرائیل اسی خشک راستے سے راتوں رات بہ امن اتر گئے۔ اور جب فرعون کا لشکر وہاں سے گزرنے لگا تو وہ وقت پانی بڑھنے کا تھا، لمحہ لمحہ پانی بڑھ گیا جس میں فرعون اور اس کا لشکر ڈوب گیا۔ اس بحث کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ یہ تفردانہ موقف درست نہیں ہے اور ان کی تعبیر جمہور آئمہ دین کے پر خلاف ہے۔

معجزہ انشقاق ِ قمر پر تفردات اور اس کا ناقدانہ جائزہ

متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ کی صداقت کے اظہار کے لئے کی زندگی میں چاند دو ٹکڑے ہوا، اس تاریخی معجزہ کے بارے میں روایات اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ علامہ سبکیؒ نے انہیں متواتر کا درجہ دیا ہے۔ ابو نعیمؒ نے دلائل میں بخاری شریف کے اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباس سے اس طرح نقل کی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس مشرکین کا ایک گروہ آیا، جس میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد المطلب اور نضر بن حارث بھی تھے، انہوں آپؐ سے کہا کہ اگر آپ واقعی سچے ہیں تو اپنی سچائی کے ثبوت میں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، اس طرح کے اس کا ایک ٹکڑا قبیس کی پہاڑی پر اور دوسرا ٹکڑا قیقعان پر ہو۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا: کہ اگر ایسا ہو گیا تو کیا تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ کہنے لگے ہاں! وہ رات چودھویں کی تھی اور چاند آسمان پر پورے آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! ان مشرکوں کا سوال پورا فرمادے۔ پھر آپؐ نے انگلی سے اشارہ کیا تو چاند اسی طرح دو ٹکڑے ہو گیا جس طرح کافروں نے کہا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابو سلمہ اور ارقم اس پر گواہ رہنا۔[25] حافظ ابن کثیرؒ نے سورہ قمر کی پہلی آیت "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ" کے حوالہ سے اس بات پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے کہ یہ آیت نبی اکرمؐ کے معجزۂ شق القمر کے بارے میں ہے۔[26] محمد قاسم فرشتہ تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں کچھ عرب مسلمان کشتی پر سوار جزائر سری لنکا کی طرف جا رہے تھے کہ طوفانوں کی وجہ سے جزائر مالابار کی طرف جا نکلے اور وہاں گدنکلور نامی شہر میں کشتی سے اترے۔ شہر کے حاکم کا نام ''سامری'' تھا۔

---

[25] بخاری، الصحیح البخاری، رقم: 721۔ مسلم، رقم: 272۔ مسند احمد، رقم: 4721۔

[26] تفسیر ابن کثیر، 4:261۔

اس نے مسلمانوں کے بارے میں یہودی اور عیسائی سیاحوں سے کچھ سن رکھا تھا۔ عرب مسلمانوں سے کہنے لگا کہ پیغمبر اسلامؐ کے حالات اور ان کی کچھ علامات بیان کریں۔ ان مسلمانوں نے اسے آنحضرتؐ کے حالات زندگی، اسلام کے اصول و مسائل اور نبی اکرمؐ کے معجزات کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں، دریں اثنا شق القمر کے تاریخی معجزہ کا ذکر بھی کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ذرا ٹھہرو ہم اسی بات پر تمہاری صداقت کا امتحان لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں دستور ہے کہ جو بھی اہم واقعہ رونما ہو اسے قلمبند کر کے شاہی خزانہ میں تحریر کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق آپؐ کی صداقت پر چاند دو ٹکڑے ہوا تھا، تو اسے یہاں کے لوگوں نے بھی دیکھا ہو گا اور اتنا محیر العقول واقعہ ضرور قلمبند کر کے شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے پرانے کاغذات طلب کیے، جب اس سال کا رجسٹر کھولا گیا تو اس میں یہ درج تھا کہ آج رات چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر جڑ گیا۔ اس پر وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا اور بعد میں تخت و تاج چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ ہی عرب چلا گیا۔[27] علامہ سید محمود شکری آلوسیؒ اپنی کتاب "مادل علیہ القرآن ممایعضد الھیئۃ الجدیدۃ القویمۃ البرہان "میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پر بار بار حملے کر رہے تھے، انہوں نے بعض عمارتوں پر یہ تختی لکھی ہوئی دیکھی کہ اس عمارت کی تکمیل اس رات ہوئی جس رات چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔[28] اس کے علاوہ بھی آپؐ کے اس معجزے پر بے شمار دلائل موجود ہیں جب کہ تفردات کے حاملین اس واقعہ کو ایک معمولی حسی واقع سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس آیت سے چاند کا پھٹنا ثابت ہوتا ہے ، یہاں چاند کے پھٹنے ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ حقیقت میں پھٹ گیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے نزدیک پھٹ جائے گا۔ جیسے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور دوسرے اجرام بھی زیر و زبر ہو جائیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ دلیل اس لیے غلط ہے کہ جہاں قیامت کو ان آیات الہی کے پھٹنے اور زیرو زبر ہونے کا ذکر ہے۔وہاں کفار کے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کہیں قرآن میں ان آیات الہی کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔انشقاق کی آیت اور کفار کا اسے سحر سے تعبیر کرنا یا اس سے کفار کی تکرار ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔[29]

شق قمر کے بارے میں بحث کا تجزیہ

نبی کریمؐ کے دیگر معجزات کی طرح مکہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوا، اس تاریخی معجزہ کے بارہ میں روایات اتنی زیادہ روایات مروی ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں ہے، جب کی تفردات کے حاملین کا یہ موقف کہ "جیسے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور دوسرے اجرام بھی زیر و زبر ہو جائیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ دلیل اس لیے غلط ہے کہ جہاں قیامت کو ان آیات الہی کے پھٹنے اور زیر و زبر ہونے کا ذکر ہے۔ وہاں کفار کے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کہیں قرآن میں ان آیات الہی کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ انشقاق کی آیت اور کفار کا اسے سحر سے تعبیر کرنا یا اس سے کفار کی تکرار ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔" جمہور اسلاف کی تفہیم سے دور ہے، جس پر متجدین کے پاس کوئی عقلی و نقلی دلیل تک موجود نہیں۔ جب کہ اس کے مدمقابل تفردات کے حاملین کے رد پر کئی ایک دلائل موجود ہیں۔ جن کی روشنی میں ان کے موقف کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

فرشتے، تسخیر ہوا اور جنات کے بارے میں تفردات اور اس کا ناقدانہ جائزہ

---

[27] محمد قاسم فرشتہؒ، تاریخ ہند (اعظم گڑھ: دار المصنفین، 1936ء)، 2: 489۔

[28] سید محمود شکری آلوسیؒ، مادل علیہ القرآن ممایعضد الھیئۃ الجدیدۃ القویمۃ البرہان (بیروت: دار لفکر)، 534۔

[29] پرویز، مطالب الفرقان، 3: 221۔

ملائکہ م۔ل۔ک، سے مشتق ہے، اس کی جمع ملائکہ اور ملائک ہے، اس کے لغوی اور لفظی معانی مالک ہونا، فرشتہ، ملکیت اور اقتدار کے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں تسرف، قدرت اور امر کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے، لفظ ملائکہ آسمانی ارواح کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے[30] اس وجہ سے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں، وہ لطیف اور نورانی مخلوق ہیں اور عام انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بعض کم فہم لوگ فرشتوں کے خارجی وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسے تصورات گمراہی پر مبنی ہیں۔ ملائکہ احکام الٰہی کی تعمیل کرنے والی معزز مخلوق ہیں، ان کے وجود اور ان سے متعلقہ تفصیلات کو ماننا ایمان بالملائکہ کہلاتا ہے ۔ فرشتوں کی کوئی خاص صورت نہیں۔ صورت اور بدن ان کے حق میں ایسا ہے کہ جیسے انسانوں کے لئے ان کا لباس، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کرلیں۔ ہاں قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بازو بھی ہیں، اس پر ہمیں ایمان رکھنا چاہیے۔ فرشتے تعداد میں بے شمار ہیں، ان کی تعداد وہی جانے، جس نے انہیں پیدا کیا، یا اس ذات باری تعالیٰ کے بتانے پر آپؐ، ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے، ہر روز بے شمار فرشتے پیدا ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ ملائکہ کی حقیقت کے بارے میں کئی ایک اقوال ہیں۔ فذھب اکثرالمسلمین الی انھا اجسا م لطیفة قادرةعلی التشکل باشکال مختلفة۔[31] "پس جمہور مسلمانوں کے مطابق ملائکہ وہ لطیف نورانی اجسام ہیں جنہیں (اپنی لطافت ونورانیت کے باعث) مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے"۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: خلقت الملا ئكة من نوروخلق الجان من ناروخلق آدم مماوصف لكم[32] "فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنا ت کو شعلہ زن آگ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس شے سے پیدا کیا گیا ہے، جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیان فرمائی ہے (یعنی خاک سے) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی سرشت میں کامل اطاعت کا پہلو رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کائنات کے مختلف امور سر انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی قدرت نہیں رکھتے ارشاد باری تعالیٰ ہے " لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ [33] "وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے (اسے) بجالاتے ہیں"۔

ابلیس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ چنانچہ جب اسے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم مٹی سے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ابلیس ناری ہے، مگر عبادت وریاضت سے بلند مقا م پر پہنچ گیا، اور فرشتوں میں شمار ہونے لگا تھا۔ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں: ابلیس فرشتوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جسے جن کہا جاتا ہے، اس قبیلہ کے فرشتوں کو آگ کی گرم لو سے پیدا کیا گیا تھا (یہ لو شعلہ میں نظر نہیں آتی، صرف محسوس کی جاتی ہے اور تمام حدت اسی میں ہوتی ہے) ابلیس کا نام حارث تھا اور یہ جنت کے پہرہ داروں میں سے ایک تھا، اس کے علاوہ باقی تمام فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ابلیس فرشتوں کا سردار تھا اور اس کا قبیلہ سب سے معزز و محترم تھا، اس کے علاوہ یہ بہشت کے باغات پر بھی نگران تھا، اسے آسمان دنیا اور زمین کی بادشاہت بھی بخشی گئی تھی۔ ابو مالک اور ابو صالح ابن عباس اور مرہ ہمدانی ابن مسعود اور دیگر اصحاب رسولؐ نقل کرتے ہیں: کہ انہوں نے فرمایا: ابلیس کو آسمان دنیا پر مقرر کیا گیا تھا اس کا تعلق فرشتوں کے اس گروہ سے تھا جسے جن کہا جاتا ہے ان کا نام جن اس

---

30 راغب اصفہانی، المفردات، 472-473۔

31 ناصر الدین عبد اللہ بن عمر امام بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل (لاہور: مکتبہ رحمانیہ 2007ء) 1: 80۔

32 مسلم، الصحیح المسلم، رقم: 2996۔

33 التحریم 66: 6۔

لئے رکھا گیا تھا کہ یہ جنت کا محافظ و نگران تھے اور ابلیس بھی اپنی بادشاہت کے ساتھ ساتھ محافظ و نگران تھا، اور بہت زیادہ عبادت گزار تھا[34] اسلام سے پہلے عربوں میں جنوں کے تذکرے موجود تھے، اس زمانے میں سفر کرتے وقت جب رات آجاتی تو مسافر اپنے آپ کو جنوں کے سردار کے سپرد کر کے سو جاتے تھے، جنات نے دنیا میں فساد برپا کر رکھا تھا، قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان کی جنوں پر حکومت تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو عبادت گاہیں "ہیکل" بنوائی تھیں، وہ جنوں نے ہی بنائی تھی قرآن مجید میں جنوں کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، اور جن کو آگ کی لپیٹ سے پیدا کیا"[35] ابو الاعلیٰ مودودیؒ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اصل الفاظ "من مارج من نار" ہیں۔ نار سے مراد ایک خاص نوعیت کی آگ ہے، نہکہ یہ وہ آگ جو لکڑی یا کوئلہ جلانے سے پیدا ہوتی ہے، اور مارج کے معنیٰ ہیں خالص شعلہ، جس میں دھواں نہ ہو۔ جس طرح پہلا انسان مٹی سے بنایا گیا تھا، پھر تخلیق کے مختلف مدارج سے گزرتے ہوئے اس کے جسد خاکی نے گوشت پوست کے زندہ بشر کی شکل اختیار کی اور آگے اس کی نسل نطفہ سے چلی، اسی طرح پہلا جن خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا تھا اور بعد میں اس کی ذریت سے جنوں کی نسل پیدا ہوئی، ان کا وجود بھی اصلا ایک آتشیں وجود ہی ہے لیکن جس طرح ہم محض ایک تو وہ خاک نہیں ہیں اسی طرح وہ بھی شعلہ آتشیں نہیں ہیں۔[36] اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات پر قادر مطلق ہے وہ جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطاء کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کرام کو اپنے اپنے ادوار میں مختلف قسم کے انعامات سے نواز کر معاشرے میں ایک ممتاز حیثیت عطاء فرمائی۔ جن میں سیدنا داود علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا اور سیدنا سلیما ن علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر فرمادیا، جو آپ کے تابع کر دی گئی اور مختلف پرندوں کی بولیاں بھی سکھادی گئیں اسی طرح جنات کو بھی آپ کے تابع کر دیا گیا۔ جن کو آپ علیہ السلام نے مختلف قسم کی ذمہ داریاں سونپ رکھی تھیں مفسرین عظام، جمہور محدثین اور اسلاف کا یہ ایک متفقہ ایک اجماعی موقف ہے جبکہ بعض تفردات کے حاملین فرشتوں، جنات اور شیاطین کے خارجی وجود کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین خیر وشر کی قوتیں ہیں جبکہ جنات جنگلی اور پہاڑی انسان ہی کی نسل سے ہیں، ذیل میں ہم بعض تفردات کے حامل مفسرین کے حوالوں سے ان کے موقف کی وضاحت کریں گے۔

سرسید احمد خان

سرسید احمد خان فرشتوں، شیطان، جنات کے الگ خارجی وجود کا انکار کرتے ہیں ملائکہ اور شیاطین کو خیر وشر کی قوتیں اور جنات کو جنگلی وپہاڑی انسان قرار دیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت 30 کی تفسیر میں فرشتوں اور شیطان کے خارجی وجود کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جن ملائکہ کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے ان کا کوئی اصلی یا حقیقی وجود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ طاقت اور قوت ہے جو خدا نے اپنی مخلوقات میں پیدا کی ہے قرآن کی اصلاح میں اپنے ثانوی مفہوم میں فرشتہ خدائی اخلاقی سہارا ہے جو انسان کی زیادہ ناخوشگوار حالات سے نمٹنے کی کوشش میں مدد کرتا ہے اور شیطان یعنی مردود فرشتہ کو استعارۃ قرآن پاک میں مخلوق آتشی سے موسوم کیا گیا ہے یہ دراصل انسان کے سیاہ شہوات کی جانب اشارہ ہے[37]

---

[34] محمد بن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک (لاہور: نفیس اکیڈمی 1999ء) 2: 189۔

[35] الرحمٰن 55: 14۔

[36] مودودی، تفہیم القرآن، 5: 256۔

[37] سرسید احمد خان، تہذیب الاخلاق (لاہور: دارالآفاق، س ن)، 191۔

محمد علی لاہوری

محمد علی لاہوری غیر مرئی ہستیوں کے سلسلہ میں جنوں کو الگ مخلوق ماننے سے جگہ جگہ انکار کرتے ہوئے ان سے خاص انسان مراد لیتے ہیں۔سورۃ احقاف میں جنوں کے قرآن سننے اور ان کی آپؐ سے ملاقات کے متعلق متعدد روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے جنوں کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں وہی صاف بتاتی ہیں کہ یہ کہیں باہر سے آئے ہو ئے اجنبی انسان تھے۔اگر یہ غیر مرئی ہستیاں ہو تیں تو حضورؐ کو مکہ سے باہر جاکر تنہائی میں ان سے ملا قات کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ علیحدگی اور تنہا ئی کی ضرورت اس لئے تھی کہ کفار تکلیف نہ پہنچائیں۔پھر روایات کے مطابق ان کے چلے جانے کے بعد ان کے آگ جلانے کے نشانات بھی موجود تھے اور آگ جلانے کی ضرورت کھانا وغیرہ پکانے کے لئے انسانوں ہی کو ہوتی ہے نہ کہ غیر مرئی ہستیوں کو۔[38]

غلام احمد پرویز

پرویز صاحب شیطان کے حوالے سے اس کے خارجی اور جداگانہ وجود کو مذہب کی غلطی سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مذہب نے شیطان کو انسان سے الگ ایک جدا گانہ اور خارجی ہستی قرار دیا ہے جو انسان کو برائی پر اکساتا ہے۔قرآن کی رو سے شیطان یا ابلیس کو ئی موجود فی الخارج ہستی یا شخصیت نہیں بلکہ خو د انسان کے اپنے ہی فیصلوں کا نام ہے۔[39]جنات کو صحرا نشین انسانو ں سے تعبیر کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ انسانی آبادیاں قدیم الایام چلی آرہی ہیں۔ایک وہ آبادی جو شہری یا تمدنی زندگی بسر کرتی ہے اور دوسری وہ جو جنگلوں اور صحراؤں میں خانہ بدوش کی طرح رہتی ہے،عربوں کے ہاں یہ دونوں آبادیاں خصوصیت سے ایک دوسرے سے متمیز تھیں اور ان کے رہنے سہنے ،رسوم وعادات اور معاشی ومعاشرتی انداز بالکل جداگانہ تھے۔ان کے ہاں الانس اس قبیلے کو کہتے تھے جو کسی ایک جگہ مقیم ہو یعنی شہری آبادی اور الجن ان لوگوں کو جو ان شہریوں کی نگاہوں سے اوجھل صحرا نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔یہ دونوں گروہ انسانوں پر ہی مشتمل تھے انہی کو قرآن نے جن وانس کہہ کر پکارا ہے۔[40]

فرشتے، تسخیر ہوا اور جنات کے بارے میں بحث کا تجزیہ

تفردات کے حاملین روحانی مخلوقات سے متعلق جدید مادی وسائنسی افکار مغرب میں غیر مرئی وروحا نی مخلوق کے انکار پر منتج ہوئے متجددین اہل فکر نے اپنی نگارشات کے ذریعے روحانی مخلو قات کے حقیقی اسلامی تصورات میں خلل ڈالنے کی کو شش کی ہے جس میں روحا نی مخلو قات سے متعلق قرآنی بیا نات کی ایسی تاویلات کیں کہ یہ مخلوقات محض تمثیل قرار پا گئیں۔راسخ العلم ائمہ دین نے فرشتوں ، شیطان اور جنات کے وجود کو علمی وعقلی انداز میں ثا بت کرنے کے ساتھ ساتھ تفردات کے حاملین کی غلط تعبیرات کی اصلاح کرتے ہوئے قرآن کی روشنی میں مذکورہ مخلو قات کے واقعی وجود کو ثا بت کرنے کی کو شش کی ہے قرآن حکیم اور عام عقل وعلم کی روشنی میں کی گئی تحقیق سے ثا بت ہو تا ہے کہ راسخ فی العلم ائمہ ،فقہاء اور محدثین کا نتیجہ فکر صحیح ہے۔۔اس لئے غیر مرئی مخلو قات کے انکار اور ان کی تاویلات رقیقہ کے پیچھے یہ بنیا دی فلسفہ کا م کر رہا ہے کہ

38لاہوری، بیان القرآن،1: 712۔

39پرویز، مطالب الفرقان،1: 67۔

40پرویز، مطالب الفرقان،2: 70۔

یہ حواس کے دائرہ سے باہر ہیں۔لیکن اس فلسفہ کی غلطی بالکل واضح ہے۔کائنات میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو حواس سے محسوس نہیں ہو تیں لیکن انسان انہیں مانتا ہے۔کیا روح حتی کہ خدا محسوس کیا جا سکتا ہے ؟حالانکہ غیر مرئی مخلوقات کا انکار یا ان کی تاویلات کرنے والے بہت سے لوگ روح اور خدا کا وجود مانتے ہیں۔جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو فرشتوں ، شیطان اور جنات کے خارجی وجود سے متعلق اس کے بیانات اتنے صریح ہیں کہ ان میں تحریف کئے بغیر مذکورہ مخلوقات کے خارجی وجود کا انکار ممکن نہیں۔

عذاب قبر سے متعلق تفردات اور اس کا ناقدانہ جائزہ

قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبر کی زندگی کے متعلق تذکرہ فرمایا ہے،اور اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں عذابِ قبر کے متعلق حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نہ صرف آگاہ فرمایا بلکہ عذابِ قبر سے اللہ تعالی سے پناہ مانگنے کی تعلیم بھی دی ہے۔جبکہ خود آنحضرت ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا کہ آپ خود ہر نماز میں عذابِ قبر کے فتنے سے خداوند باری تعالی کی پناہ طلب فرماتے اور اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر میں منکر ونکیر کے سوالات اور میت کی طرف سے اس کے جوابات کا تذکرہ بھی فرمایاہے، نیز نیک آدمی کے لئے قبر کی کشادگی،جنت میں اس کا ٹھکانا اس کو ہر صبح وشام دیکھا یا جانا، مشہور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ دو قبر والوں کے پاس سے گزرے،تو آپؐ وہاں کچھ دیر کے لئے رک گئے اور فرمایا: ان قبر والوں کو عذاب ہو رہاہے اور یہ عذاب کسی بڑی وجہ سے نہیں ہے ان میں سے ایک شخص چغلی کھا تا تھا جبکہ دوسرا پیشاپ کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔یہ ساری چیزیں بے شمار احادیث سے ثابت ہیں۔ جن میں اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔جب کہ تفردات کے حاملین میں سے بعض تو عذاب قبر کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔جبکہ بعض اس کی مختلف تاویلات کرتے ہوئے لکھتے ہیں قرآن میں صرف دوبار کی زندگی اور دو بار کی موت کا ذکر ہے تو پھر یہ برزخ کی زندگی اور عذاب قبر کو کیسے درست سمجھا جا سکتا ہے۔[41]چونکہ علما محققین کے موقف کے مطابق قرآن وسنت اور احادیث نبویہؐ کی روشنی میں عذاب قبر کا ثبوت موجود ہے،لہذا تفردات کے حاملین کے موقف کا نقد مختلف محققین اہل فکر ونظر نے کیاہے جیسا کہ مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں: قرآن میں بطور سنۃ اللہ یا قانون الٰہی واقعی دو بار کی زندگی اوردوبار کی موت کا ذکر ہے لیکن قرآن ہی میں اس سنۃ اللہ سے استثناء کی بھی کئی مثالیں ملتی ہیں،مثلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔پھر جو مردے جو مردے ان کے زندہ کرنے سے جی اٹھتے تھے وہ بعد میں مرتے بھی ہو نگے،تو اس طرح ان کے حق میں 3 بار کی زندگی اور تین بار کی موت قرآن ہی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام جب ایک اجڑی ہوئی بستی کے پاس سے گزرے تو خیال آیا کہ اللہ اس مردہ بستی کو کیسے زندہ کرے گا ، اس خیال کا آنا ہی تھا کہ اللہ نے انہیں وہیں موت دے دی پھر سو سال بعد زندہ کیا۔[42]گویا ان کے حق میں بھی تین بار کی زندگی اور تین بار کی موت قران سے ثابت ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص قتل ہو گیا جس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا اور سب مشتبہ افراد ایک دوسرے کے سر الزام لگا رہے تھے اللہ تعالی ' نے انہیں ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا اس لاش پر مارو تو مقتول خود اپنے قاتل کا پتہ بتائے گا ،چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کو بھی زندہ کیا

---

[41] کیلانی، آئینہ پرویزیت، 73۔

[42] البقرۃ، 2: 259۔

۔[43] اب اس مقتول کے لئے بھی تین بار کی زندگی اور تین بار کی موت ثابت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کے لئے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا،انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی جرم کی پاداش میں کڑک دار بجلی سے موت کے گھاٹ اتار دیا،پھر حضرت موسیٰ کی التجا پر انہیں دوبارہ زندگی ملی،ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔" ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" [44] " اور پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا۔" گویا ان ستر آدمیوں کی تین بار کی زندگی اور تین بار کی موت قرآن سے ثابت ہوئی ،نیز یہ معلوم ہوا کہ بعث بعدالموت اگرچہ سنۃ اللہ کی رو سے قیامت کو ہی ہوگی،تاہم اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کا اظہار فرما سکتے ہیں۔مردوں کے احساس وشعور کے متعلق حافظ اسلم صاحب کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد سے لیکر حشر تک مردوں میں کسی قسم کا احساس وشعور نہیں ہوتا جسم تو ویسے ہی مٹی میں گل سڑ جاتا ہے روح پر بھی یہ زمانہ بس ایک گھڑی کی مانند گزرتا ہے۔بالفاظ دیگر جب کوئی مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے لہذا برزخ کا زمانہ یا برزخ کی زندگی ناممکن سی باتیں ہیں ،قبر میں پڑے مردوں کا کسی بات کا سننا تو درکنار شعور واحساس تک نہیں ہوتا۔[45] کیلانی صاحب اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ بلا شبہ سنۃ اللہ یہی ہے کہ قبر میں پڑے ہوئے مردے سن نہیں سکتے ،لیکن اس میں بھی استثناء موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔"اِنَ اللهَ يُسمِعُ مَن يَشَاءُوَمَااَنتَ بِمُسمِعِ مَن فِي القُبُور"[46] "اللہ تو جس کو چاہے سنا سکتا ہے ، لیکن اے پیغمبر ﷺ!تم قبر میں مدفون لوگوں کو نہیں سنا سکتے"حافظ عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں: جن مردوں کو عیسیٰ علیہ السلام "قم باذن اللہ" کہتے تھے اللہ ان کو سناتا تھا تو تبھی وہ جی اٹھتے تھے یعنی احساس وشعور ہوتا تھا،اسی طرح مذکورہ بالا چار مثالیں ہیں جن میں مردوں کا ذکر آیا ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے سنا دیا تھا اور سننے کے لئے چونکہ احساس وشعور مستلزم ہے لہذا معلوم ہوا کہ اللہ اگر چاہے تو مردوں میں احساس وشعور بھی پیدا کر سکتا ہے اور انہیں سنا بھی سکتا ہے انہیں زندہ اٹھا کر کھڑا کر سکتا ہے ، لیکن کسی دوسرے کے لئے یہ ممکن بات نہیں۔[47] برزخ دو چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز ہوتی ہے جو اوٹ یا آڑ کا کام دیتی ہے یہ لفظ برزخ صرف فصل مکانی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ، بلکہ فصل زمانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اور ان مرنے والوں کے لئے آڑ ہے اس دن تک کہ جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔اس بات موصوف بھی تسلیم کرتے ہیں چناچہ درج بالا آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یعنی برزخ کی مدت مرنے والوں کی موت سے لیکر حشر تک ہے کہ اس میں وہ اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جائیں گے اور جب حشر ہو گا اللہ کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔[48]

خلاصہ بحث

---

[43] کیلانی، آئینہ پرویزیت،73۔

[44] البقرۃ،56:2۔

[45] اسلم جیراج پوری،الوراثۃ فی الاسلام(بیروت: مکتبۃ الھندیہ، س،ن)،213۔

[46] فاطر35: 22۔

[47] کیلانی، آئینہ پرویزیت،374۔

[48] کیلانی، آئینہ پرویزیت،375۔

برزخ اور عذاب قبر کے بارے میں تفردات کے حاملین کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دو موتوں اور دو زندگیوں کا قرآن میں ذکر کیا ہے جس کی رو سے برزخ کی کوئی اطلاع نہیں ہے اس پر علما محققین ناقدین نے قرآن و حدیث سے برزخ کی زندگی کو ثابت کیا ہے اور اللہ تعالی کی مستثنیات کو نقل کر کے اس مسئلہ کی حقانیت واضح کی ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبر کی زندگی کے متعلق تذکرہ فرمایا ہے، اور اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں عذابِ قبر کے متعلق حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نہ صرف آگاہ فرمایا بلکہ عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کی تعلیم بھی دی ہے۔ جبکہ خود آنحضرت ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا کہ آپ خود ہر نماز میں عذابِ قبر کے فتنے سے خداوند باری تعالی کی پناہ طلب فرماتے۔[49] اور اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر میں منکر و نکیر کے سوالات اور میت کی طرف سے اس کے جوابات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے، نیز نیک آدمی کے لئے قبر کی کشادگی، جنت میں اس کا ٹھکا نا اس کو ہر صبح و شام دیکھایا جانا، مشہور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ دو قبر والوں کے پاس سے گزرے، تو آپؐ وہاں کچھ دیر کے لئے رک گئے اور فرمایا: ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑی وجہ سے نہیں ہے ان میں سے ایک شخص چغلی کھاتا تھا جبکہ دوسرا پیشاپ کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اسی طرح بخاری شریف کی حدیث " اتی النبی ﷺ عبد اللہ بن ابی بعد ما دفن فاخرجہ فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ[50]" نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو عبد اللہ بن ابی کو دفن کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنا لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا اور اپنی قمیص پہنائی۔ قمیص اس کو کیوں پہنائی؟ بے شک وہ منافق تھا اس کی بخشش نہ ہوئی اور اللہ نے آئندہ کے لئے منافقین و مشرکین کی قبر پہ جانے سے نبی کریم ﷺ کو منع فرمادیا" وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ۔۔۔۔۔۔ فَاسِقُونَ"[51] اے نبیؐ! ان لوگوں (منافقین) میں سے جو کوئی فوت ہو جائے، تو آپ اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھنا اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا، اور اِس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔ یہ ساری چیزیں بے شمار احادیث سے ثابت ہیں۔ جن میں اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ منصفانہ تجزیے کے ساتھ تفردات کے حاملین کا موقف اور اس پر ناقدین کے دلائل کو قرآن و سنت کے معیار کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے جس نتیجہ پر ہم پہنچتے ہیں وہ یہی ہے کہ برزخ اور عذابِ قبر کے متعلق تفردات کے حاملین کا موقف نہ صرف قرآن و سنت، اجماع امت سے متضاد ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ دین سلف صالحین کے متفقہ اصولی نظریے کے بھی مخالف ہے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

49 بخاری، الصحیح البخاری، رقم: 1755۔

50 بخاری، الصحیح البخاری، رقم: 1270۔

51 التوبہ 9: 84۔